خطبات جمعہ مجدد الشریعۃ محی الملۃ آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفران مآبؒ

مواعظ حسینیہ (سنہ ۱۲۰۰ ہجری)

مترجم: خان محمد صادق جونپوری

قسط۔۱۵

(جمعہ ششم ذی القعدہ سنہ ۱۲۰۱ ہجری میں پڑھا گیا خطبہ)

میں نے پچھلے جمعوں میں آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق:

فَاسْتَقِمْ کَمَا أُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَکَ۔

(ہود:۱۱۲)

''تو مضبوطی سے برقرار رہئے جیسا کہ آپ مامور ہیں اور وہ بھی جو آپ کے ساتھ لولگائے ہیں۔''

انسان کو چاہئے کہ ان تمام مسائل، جن میں اللہ تعالیٰ نے اسے مکلف کیا ہے (چاہے وہ اعتقادات سے متعلق ہوں یا عبادات سے یا معاملات سے)، شریعت کے راستے کی پابندی کرے تا کہ افراط وتفریط کے صحرا میں پڑ کر گمراہ نہ ہو۔ چنانچہ تجربہ کیا جاچکا ہے کہ بعض لوگوں جو اعتقادات میں حد اعتدال سے قدم باہر نکال لیا تھا، جب بعد میں اس بات کو اپنے اعتقاد کے خلاف پایا تو ان کا عقیدہ فاسد ہوگیا۔ لہٰذا ذہن قاصر میں یہ بات آئی کہ بعض چیزوں کی حد وسط کو بیان کیا جائے جس کے بارے عام طور سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی قادریت ہے۔ اس امر میں افراط یعنی یہ کہ انسان معتقد ہوجائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ محال کو خلق کرنے پر قادر ہے۔ مثلاً اپنے شریک کار کو خلق کرنا یا آسمان کو ایک انڈے کے اندر سمونا بغیر اس کے کہ آسمان چھوٹا ہو یا انڈا بڑا ہو۔ یہ عقیدہ باطل ہے، کیونکہ اگر ممتنعات کو خلق کرنا ممکن ہوجائے تو محال ممکن ہوجائے گا اور اپنی جگہ پر ثابت ہوچکا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو توحید ابن بابویہ میں ان کی سندوں کے ساتھ جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے:

قَالَ قِیلَ لِامِیرِ المُومِنینَ هَلْ یَقْدِرُ رَبّکَ اَنْ یَدخِلَ الْدُنْیا فِی الْبیضَةِ مِنْ غَیرَ اَنْ یَصْغِرُ الدُنْیا وَ تَکْبِرُ الْبَیْضَة۔ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْسَبُ اِلی الْعَجز وَ الَّذِی سَاَلْتَنی لَا یَکُونَ۔

کسی شخص نے جناب امیر صلی اللہ علیہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کا رب اس بات پر قادر ہے کہ ساری دنیا کو ایک انڈے میں سمودے، بغیر اس کے کہ دنیا چھوٹی ہو یا انڈا بڑا ہو۔ حضرت نے فرمایا یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کو منسوب کریں۔ کیونکہ عجز یعنی یہ کہ کسی شیء کے ممکن ہونے کے باوجود، حق تعالیٰ اس شیء کو خلق نہ کرسکے۔ لیکن تم نے جس چیز کے بارے میں پوچھا ہے وہ چونکہ محال ہے لہٰذا قابلیت وجود نہیں رکھتی ہے۔

تو انسان کا یہ اعتقاد ہونا چاہئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ

آسمان کو چھوٹا کر کے انڈے کے اندر سموسکتا ہے یا انڈے کو
بڑا کر کے آسمان کو اس کے اندر سموسکتا ہے۔لیکن اس کے بغیر
صلاحیت وجود نہیں پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس
سے متعلق نہیں ہے۔

حق تعالیٰ کی قدرت سے متعلق تفریط یعنی یہ کہ خدا کو
بعض ممکنات پر قادر نہ جانے۔جیسا کہ حکما کا عقیدہ ہے۔وہ یہ
کہتے ہیں کہ چون کہ حق تعالیٰ تمام جہات سے واحد ہے لہٰذا
واحد کے علاوہ اس سے کچھ صادر نہیں ہوسکتا ہے۔اس سلسلے
میں ان کی دلیل سخیف اور ہلکی ہے،جس کا تذکرہ اپنی جگہ پر
آئے گا۔ان کے عقیدے کے بطلان کے سلسلے میں حق تعالیٰ کا
یہ قول کافی ہے:

ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے سلسلے میں افراط کی دوسری
مثال،اس کو مخلوقات کے تمام افعال کا خالق جاننا ہے۔جیسا
کہ اشاعرہ کا مذہب ہے۔وہ کہتے ہیں کہ بندوں کے تمام
افعال کا خالق خدا ہے، چاہے وہ فعل اطاعت ہو جیسے نماز و
روزہ اور چاہے معصیت ہو جیسے زنا،لواطہ،قتل مومن وغیرہ۔
اس میں شک نہیں ہے کہ یہ عقیدہ امامیہ کے نزدیک باطل ہے،
کیونکہ اس اعتقاد کی وجہ سے اللہ تعالی ظالم ٹھرے گا، اور
جب اللہ تعالیٰ خود بندوں سے معصیت کرواتا ہے اور بندے
کو اپنے فعل پر اختیار نہیں ہوتا ہے تو پھر اس گناہ پر اسے سزا دینا
سب سے بڑا ظلم ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ جب خود ہی بندوں کے تمام افعال
کا خالق ہے تو پھر اچھے اعمال پر تعریف کرنا اور برے اعمال پر
مذمت کرنا بے معنی ہے۔مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر تم
دس سال زندہ رہو گے تو تم کو سزا دوں گا اور اگر بارہ سال زندہ
رہے تو تمھیں انعام دوں گا۔تو اس کی یہ بات عقلمندوں کے
نزدیک بہت بری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس بات کو
منسوب کرنا بالکل اسی طرح ہے۔

اگر بندے کو اپنے فعل پر اختیار نہ ہو تو مخالفین کو
چاہئے کہ اگر کوئی ان کو قتل کرے تو دعوائے قصاص نہ کریں اور
اگر کوئی ان کا مال چھین لے تو اس سے مال کو واپس نہ
مانگیں، کیونکہ وہ تو مجبور ہے۔

نقل کیا گیا ہے ایک روز بہلول دانا ابوحنیفہ کے گھر
کے سامنے سے گزر رہے تھے۔انھوں نے سنا ابوحنیفہ اپنے
شاگردوں سے کہہ رہے تھے کہ امام صادقؑ کے تین قول ایسے
ہیں جو مجھے پسند نہیں۔

پہلا قول یہ کہ وہ کہتے ہیں شیطان آگ میں معذب
ہوگا۔یہ کیسے ممکن ہے کہ شیطان آگ سے معذب ہو۔دوسرا
قول یہ کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ
کوئی شیء موجود ہو اور اسے دیکھا نہ جاسکے۔تیسرا قول یہ کہ وہ
کہتے ہیں بندہ اپنے فعل کا فاعل ہے جب کہ نصوص اس کے
خلاف ہے۔

جب یہ بات تمام ہوئی تو بہلول نے زمین سے ایک
ڈھیلا اٹھایا اور ابوحنیفہ کی طرف مار کر بھاگ گئے۔اتفاق سے
وہ ڈھیلا ابوحنیفہ کی پیشانی پر لگا جس سے ان کو تکلیف ہوئی۔
ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد بھلول کے پیچھے دوڑے اور ان کو
پکڑ لیا لیکن چونکہ وہ خلیفہ کے رشتے دار تھے لہٰذا ان کو اذیت
نہیں پہونچا سکتے تھے۔مجبوراً ان کو خلیفہ کے پاس لے گئے اور
شکایت کی۔بہلول نے ابوحنیفہ سے کہا میں نے تمھارا کیا بگاڑا
ہے۔ابوحنیفہ نے جواب دیا تم نے میری پیشانی پر ایک
ڈھیلا مارا ہے جس سے میرے سر میں درد ہو رہی ہے۔بہلول

نے کہا درد کو مجھے دکھاؤ۔ ابوحنیفہ نے کہا درد کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے۔ بہلول نے جواب دیا توتم کیوں حضرت امام جعفر صادقؑ پر اعتراض کررہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہو اور اسے دیکھا نہ جاسکے۔ دوسری بات یہ کہ تم ڈھیلے سے تکلیف پہونچنے کے اپنے دعوے میں جھوٹے ہو، کیونکہ ڈھیلا خاک کا تھا اور تم بھی خاک کے ہو اور خاک خاک کو تکلیف نہیں پہونچا سکتی ہے۔ توتم کیسے امام پر اعتراض کررہے تھے کہ شیطان آگ سے ہے اور آگ کو آگ کیسے جلائے گی۔ تیسری بات یہ کہ تم امامؑ کے اس قول کی رد کررہے تھے کہ بندہ اپنے فعل کا فاعل ہے۔ تو جب بندہ اپنے فعل کا فاعل نہیں ہے توتم کیوں مجھے خلیفہ کے پاس لائے ہو اور دعوای قصاص کررہے ہو۔ ابوحنیفہ جب بہلول کا معقول جواب نہ دے سکا تو شرمندہ ہوکر بزم سے چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے سلسلے میں تفریط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوقات کو اس کی بالذات مخلوق نہ جانیں۔ جیسا کہ حکما اس کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ آسمان و زمین کے بیچ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی بالذات مخلوق نہیں ہے، بلکہ اس کے مخلوق کی مخلوق ہے۔ بہت سی آیتیں اور حدیثیں اس خلاف دلالت کرتی ہیں مثلاً قول سبحانہ وتعالیٰ:

ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لآإِلَهَ إِلاَّ هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيل (انعام:۱۰۲)

''اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو اسی کی عبادت کرو۔''

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (رعد:۱۶)

''تم کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔''

نبوت کے سلسلے میں افراط یہ ہے کہ الوہیت کے بعض صفات کو نبی کے لئے ثابت کریں۔ مثلاً یہ کہیں کہ انبیاء غیب کے جانے والے ہیں، بغیر اس کے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ وحی یا دوسرے ذرایع سے ان کو خبر دے۔ انبیاء کے حق میں یہ اعتقاد اچھا نہیں ہے اور بعض آیتیں اور حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں۔ جناب حق سبحانہ وتعالیٰ سورہ لقمان کی ۳۴ویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔

''بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر و مادہ) ہے جانتا ہے اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا اور کوئی شخص (یہ بھی) نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا۔ بے شک خدا (سب باتوں سے) آگاہ و خبردار ہے۔''

خلاصہ یہ کہ صرف جناب حق سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی اور اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ وہی ہے جو بارش کو نازل کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ رحم حیوانات میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ، خوبصورت ہے یا بدصورت۔ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا حاصل کرے گا اور کس جگہ پر مرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ یہ سب چیزوں سے آگاہ ہے۔ دوسری جگہ پر جناب حق تعالیٰ حضرت نوح کے قول کو نقل کرتا ہے اور فرماتا ہے:

قُلْ لاَأَقُولُ لَكُمْ عِندِی خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلاَأَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلاَأَقُولُ لَكُمْ إِنِّی مَلَكٌ (انعام:۵۰)

''میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں (کہ ایمان لانے پر دوں گا) اور نہ میں غیب کے (کل کے حالات) جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

انبیا کے سلسلے میں تفریط یہ ہے کہ انسان انبیا کی عقل کو دوسرے لوگوں کی عقل سے کمتر جانے۔ چنانچہ بعض مخالفین کہتے ہیں کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ بعض اوقات غلطی کرتے تھے اور خلیفہ ثانی آن حضرتؐ کو ٹوکتے تھے۔ یا یہ کہ انبیا کو بخل، حسد، حب دنیا، حب مال، جاہ، کج خلقی اور وہ باتیں جو لوگوں کی نفرت کا باعث ہیں جیسے خورہ، پیسی، اندھا پن، گونگا پن وغیرہ سے مبرا نہ جانے۔ یا یہ کہ انبیاء کو پیدایش سے لیکر آخر عمر تک معصوم نہ جانے اور عصمت سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دیتا ہے کہ ان سے گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ، عمداً ہو یا سہواً سرزد نہیں ہوتا ہے اور تبلیغ رسالت کے سلسلے میں ان کے لئے سہو ونسیان جائز نہیں ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے روزمرہ کے امور میں سہو و نسیان کے سلسلے میں علمائے امامیہ میں مشہور ہے کہ یہ بھی جائز نہیں ہے، سوائے ابن بابویہ کے جن کا قول ہے شیطانی بھول انبیاء کے لئے نہیں ہے لیکن اگر سہو مصلحت کی بنیاد پر ہو تو جائز ہے کہ حق تعالیٰ ان کو سہو سے دوچار کرے۔

چنانچہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ نماز ظہر یا عصر میں بھول گئے اور پہلے تشہد میں سلام کہہ دیا۔ جب آن حضرت کو یاد دہانی کرائی گئی تو حضرت اٹھے اور پھر سے دو رکعت نماز پڑھی۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس سہو کی مصلحت یہ تھی کہ اگر کوئی شخص نماز میں سہواً غلطی کرے تو لوگ اس کو سرزنش نہ کریں۔ اور دوسری بات یہ کہ لوگ یہ جان لیں کہ نبی خدا نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ سہو ونسیان سے مبرا ہے۔

اماوہ لوگ جو اوپر بیان کئے گئے معنی میں انبیاء کو معصوم نہیں جانتے وہ اشاعرہ ہیں۔ اشاعرہ کہتے ہیں کہ انبیا بعثت سے قبل گناہ کبیرہ اور بعثت کے بعد گناہ صغیرہ کا ارتکاب کر سکتے ہیں اور ان کی دلیل بعض آیتوں کے معنی ہیں جو ظاہر کے خلاف تعبیر کی گئی ہیں۔ اس مذہب کی تضعیف اور ان کے دلایل کی سبکی کے لئے اس سلسلے میں ائمہ علیہم السلام سے نقل کی گئی حدیثیں کافی ہیں۔ یہ حدیثیں لمبی ہیں۔ حقیر اس کے بعض فقرات کے ترجمے پر اکتفا کرتا ہے۔

علی بن جہیم سے روایت ہے کہ ایک روز مامون الرشید نے امام رضاؑ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:

وَوَاعَدْنَا مُوسَی ثَلاَثِينَ لَيلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيلَةً وَقَالَ مُوسَی لأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِی فِی قَوْمِی وَأَصْلِحْ وَلاتَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (اعراف:۱۴۲)

''اور جب موسیٰ ہمارا وعدہ پورا کرنے (کوہ طور پر) آئے اور ان کا پروردگار ان سے ہم کلام ہوا تو موسیٰ نے عرض کی خدایا مجھے اپنی جھلک دکھلا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔''

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ کلیمی کے درجہ پر فائز ہونے کے باوجود اتنا نہ جانیں کہ جناب سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا ہے۔ حضرت امام رضاؑ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ جانتے تھے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا

جاسکتا ہے،لیکن جب وہ درجہ کلیمی پر فائز ہوئے اور حق تعالیٰ سے مناجات کی تو ان کی قوم نے انکار کیا اور کہا ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اپنے کان سے حق تعالیٰ کے کلام کو تمھاری طرح سن نہ لیں۔

بنی اسرائیل کی تعداد سات لاکھ تھی۔حضرت موسیٰ نے ان میں سے ستر ہزار لوگوں کو چنا اور ان میں سے سات ہزار افراد کو منتخب کیا اور ان میں سے سات سو افراد اور ان میں سے ستر افراد کو اپنی مصاحبت کے لئے پسند کیا۔

جب وعدہ گاہ مکالمہ تک پہونچے تو انھوں نے وہی سنا جو حضرت موسیٰ نے سنا تھا۔اب بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ حق تعالیٰ کو آشکارا نہ دیکھ لیں۔جب انھوں نے یہ بات کہنے کی جرأت پیدا کی تو دریائے غضب الٰہی جوش میں آیا،صاعقہ قہر الٰہی ان پر پڑی اور وہ سب کے سب ہلاک ہوگئے۔

حضرت موسیٰ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کی اور کہا پالنے والے !جب میں پلٹ کر جاؤں گا اور میری قوم والے مجھ سے کہیں گے کہ کیونکہ تم اپنے دعوے میں جھوٹے تھے اس لئے ان کو معرض ہلاکت میں ڈال دیا تا کہ تمھارا جھوٹ ہم پر ظاہر نہ ہونے پائے ،تو میں کیا جواب دوں گا۔پالنے والے! ان کے عذاب عاجل سے درگزر اور ایک بار پھر انھیں خلعت حیات سے نواز دے تا کہ میں تہمت میں گرفتار نہ ہوں۔

پس حق تعالیٰ نے موسیٰ کی دعا مستجاب فرمائی اور ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔انھوں نے دوبارہ یہی بات کہی کہ اگر تم دعا کر دیتے تو البتہ تمھاری دعا قبول ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ خود کو ہمیں دکھا دیتا۔موسیٰ نے کہا اے لوگوں !اللہ تعالیٰ کو چشم مادی سے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ان لوگوں نے قبول نہیں کیا اور کہا ہم جب تک اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔جب حضرت موسیٰ یہ سمجھ گئے کہ وہ نصیحت قبول کرنے والے نہیں ہیں تو بارگاہ الٰہی میں مناجات کیا اور ان کے حالات بیان کئے۔حق تعالیٰ نے عرض کیا اے موسیٰ! بتاؤ جو کچھ تمہاری قوم چاہتی ہے۔اس بات پر تمھارا مواخذہ نہ ہوگا میں دوسرے کے گناہ کے بدلے میں کسی بے گناہ کو معذب نہیں کرتا۔حضرت موسیٰ نے حکم الٰہی کی اطاعت کرتے ہوئے یہ بات کہی: رب ارنی انظر الیک

اور حق تعالیٰ نے فرمایا مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو۔لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔اگر یہ پہاڑ میری تجلی قدرت کا متحمل ہوجائے تو تم اور تمھارے جیسے لوگ میرے دیکھنے کی امید کر سکتے ہو۔پس جب قدرت حق تعالیٰ کی روشنی پہاڑ پر چمکی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا۔

حضرت موسیٰ اس حالت کو دیکھ کر دہشت کے مارے بیہوش ہوگئے ۔جب ہوش آیا تو کہا: پالنے والے! تجھے تمام نقصوں سے مبرا جانتا ہوں اور میں تیری بارگاہ میں واپس آتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔میں سب سے پہلے اس بات پر ایمان لانے والا ہوں کہ تجھ کو دیکھا نہیں جاسکتا ہے۔

پس مامون کو تشفی خاطر حاصل ہوئی اور امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں دعا کی اور کہا حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔اور پھر اس نے سوال کیا یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ! حق سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول کی تشریح فرمایئے جو فتح مکہ کے بعد پیغمبرؐ پر نازل ہوا:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَاتَأَخَّرَ (فتح:۲)

’’تا کہ اللہ نظر انداز کرادے جو کچھ جرائم آپ کے پہلے والے ہوں یا بعد والے۔‘‘

اس آیت کے ظاہری معنی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آن حضرت سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا۔امام رضاؑ نے فرمایا جب جناب سید المرسلین کفار کو کلمہ توحید کی دعوت دے رہے تھے تو یہ بات ان پر بہت ناگوار گزری اور اس کو گناہ عظیم سمجھا۔ جب حق تعالیٰ نے رسول اللہ کے ذریعے مکہ کو فتح کروایا تو تعریضاً علی الکفار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمھاری گناہوں کو جو مشرکین کے خیال میں تھیں، بخش دیا۔ مامون نے اس طرح کے بہت سے سوال کئے اور شافی وکافی جواب ملنے پر حضرت کو دعا دی۔

امامت کے سلسلے میں افراط یہ ہے کہ کوئی شخص ائمہ علیہم السلام کو جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ سے افضل جانے یا رسولؐ کی بعض خصوصیات میں ائمہؑ کو شریک گردانے۔مثلاً آن حضرت پر نزول قرآن وغیرہ یا یہ کہ ائمہؑ کو عالم غیب جانے بغیر اس کے کہ جناب نبویؐ نے ان کو خبر دی ہو یا کسی ملک یا الہام کے ذریعے ان تک پہونچی ہو۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں مسطور ہے کہ ایک روز جناب امیرؑ اپنے بعد رونما ہونے والے فتنوں کا تذکرہ فرمارہے تھے۔حضرت کے اصحاب میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! کیا حق تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے؟

حضرتؑ یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا: یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ وہ باتیں ہیں جن کی خبر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ نے مجھے دی ہے۔علم غیب روز قیامت کا علم ہے اور اس بات کا علم ہے کہ کس وقت بارش ہوگی یا یہ کہ عورت کے شکم میں لڑکی ہے یا لڑکا، یا یہ کہ کون شخص جنتی ہے اور کون جہنمی ہے۔ان باتوں کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔اس کے علاوہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ کو تعلیم دی ہے اور آن حضرتؐ نے مجھے تعلیم فرمائی ہے۔

ائمہ علیہم السلام کے سلسلے میں تفریط یعنی یہ کہ امام کو معصوم نہ جانیں جیسا کہ مخالفین کا عقیدہ ہے کہ ائمہ کو واجب الاطاعت نہیں جانتے ہیں۔اس عقیدے کے بطلان کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ (مائدہ:۵۵)

’’تمھارے مالک وسرپرست تو بس یہی ہیں: خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔‘‘

اب جب یہ معلوم ہوگیا تو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، زمانۂ غیبت میں دینی مسائل کو، چاہے اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے، علمائے کرام سے پوچھنا چاہئے، کیونکہ یہی لوگ قرآن وائمہ علیہم السلام کی حدیثوں کے حامل ہیں اور اللہ نے ان کو قوت دی ہے تا کہ حسب مقدور ان سے احکام کا استنباط، مختلف قسم کی حدیثوں میں فرق اور عام کو خاص سے اور مطلق کو مقید سے الگ کرسکیں۔ اور اس صورت حال میں لوگوں کو چاہئے کہ علما کے درجے کو پہچانیں اور حد وسط کو قائم رکھیں تا کہ افراط وتفریط میں پڑ کر گمراہ نہ ہوجائیں۔

اگر انسان اس سلسلے میں افراط کرے گا اور علما کو اپنے اعتقاد کے خلاف پائے گا تو ان سے دور ہوجائے گا اور یہ بات احکام دینی سے مستفید ہونے سے ان کی محرومی کا باعث ہوگا۔

افراط کی صورت میں اگر غیر عالم کو عالم کے لباس میں دیکھے گا تو یہ چاہے گا کہ اس سے دینی علوم کو حاصل کرے اور چونکہ وہ خود احکام الٰہی سے بے خبر ہوگا لہٰذا احکام الٰہی سے خبر دینا گمراہی کے سوا اور کوئی فائدہ نہ پہونچائے گا۔

اور یہ بھی علما کے سلسلے میں افراط ہے کہ انسان جس کو بھی دیکھے کہ تھوڑا سا پڑھا لکھا ہے، اس کو عالم سمجھنے لگے اور اس سے احکام دین کو اخذ کرنے کا قصد کرے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ دینی علوم میں مہارت سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ علم کا مدعی، عقل کامل و ذہن صائب کا مالک ہے کہ نہیں اور جو بات کہہ رہا ہے یا تحریر کر رہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں اور اپنے دعوے کے اثبات میں جو دلیل پیش کر رہا ہے وہ اس کے دعوے کے مطابق ہے کہ نہیں اور حدیثوں کے جو معنی بیان کر رہا ہے علمائے سابق کی طرح ہے کہ نہیں ہے اور مختلف اخبار کو جس طرح حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور علما نے ذکر کیا، اکٹھا کر سکتا ہے یا نہیں اور دلائل متعارضہ کے درمیان ترجیح کرنے کی قوت رکھتا ہے کہ نہیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد صلاح و دیانت داری میں معروف و مشہور ہو۔ اب ایسے عالم کو اپنا حاکم سمجھنا چاہئے اور اس کے قول و حکم کو خدا کے قول و حکم جانیں۔ عمر بن حنظلہ وغیرہ سے منقول حدیث اس بات دلالت کرتی ہے۔

علما کے سلسلے میں افراط یہ ہے کہ علمائے دین کے لئے عصمت کا درجہ قرار دیں اور ان کو سہو و نسیان و ذہول و لفظی و معنوی لغزش سے مبرا جانیں۔ اس عقیدے کی قباحت کسی بھی غور کرنے والے عقل مند انسان پر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس اعتقاد کی وجہ سے اگر علمائے دین کی غلطیوں پر اسے اطلاع ہوگی تو اس کا عقیدہ باطل ہو جائے گا۔

یہ ظاہر ہے کہ علمائے دین خطا و غلطی سے مبرا نہیں ہیں۔ اسی لئے کوئی بھی کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کے مقدمے میں علما نے اس سلسلے میں معذرت نہ کی ہو اور اپنی غلطیوں کو عفو کے دامن سے چھپانے کی التماس نہ کی ہو۔

(جاری)

منقبت در مدح امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام

حسان الہند مولانا شاہ نعیم عطا صاحب سلونی، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ سلون، رائے بریلی

لکھا عرش پر یہ بخط جلی ہے — کہ نائب محمدؐ کا مولا علیؑ ہے
ہوئے ایک ہی نور سے دونوں پیدا — علیؑ ہے محمدؐ محمدؐ علیؑ ہے
جو مشہور ہے اسم اعظم جہاں میں — قسم ہے خدا کی وہ نام علیؑ ہے
نعیمؔ اب نہیں خواہش باغ جنت — کہ فردوس ہم کو نجف کی گلی ہے

✡✡✡